Al-Mahdi Research Journal
Vol. 2, No. 3 (July-Sep 2021)
ISSN (p): 2789-4142 ISSN (e):2789-4150

عبادات اور معاملات میں اعتدال و توازن اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

The Balance and Moderation in the Prayers and Dealings in the light of Islamic Injunctions

Muhammad Zia ul Allah[1]

Abdul Khaliq [2]

Abstract:

One of the most important features of Islamic law is its moderation and balance. Therefore, the Sharia's rules, such as prayers, fasting, Hajj, Zakat, etc., are neither too strict nor too liberating. This attribute is prominent in every aspect of Shariah. If there is a fear of extremism in a matter, then Shariah puts it on the path of moderation and balance. Are or are forbidden. In all of them, Allah has created facilities for the servants. They have moderation and moderation. So the ummah that adopts them automatically becomes a middle ummah. In which there is neither excess nor deviation.

Key Words: Balance, Shariah, Welfare, Society, Prayers, Dealings

[1] ایم فل علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، سی ٹی آئی اسلامیات گورنمنٹ ایسوسی کالج بوائز صادق آباد

[2] ایم فل علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

تمہید

اسلامی شریعت کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت اس کے اندر اعتدال و توازن کا پایا جانا ہے۔ چنانچہ شرعی احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں نہ زیادہ سختی ہے اور نہ بالکل آزادی۔ یہ وصف شریعت کے ہر گوشے میں نمایاں ہے۔ اگر کسی معاملے میں غلو کا اندیشہ ہو تو شریعت اسے اعتدال و توازن کی راہ پہ ڈال دیتی ہے۔ اسلام کے جس قدر احکام ہیں چاہے وہ کرنے کے ہیں یا نہ کرنے کے ہیں۔ چاہے وہ واجبات ہیں یا منہیات ہیں۔ سب کے اندر اللہ نے بندوں کیلئے آسانیاں پیدا فرمائی ہیں۔ ان میں اعتدال اور میانہ روی ہے۔ تو ان کو اختیار کرنے والی امت خود بخود ایک درمیانی امت بن جاتی ہے۔ جن میں نہ افراط ہوتا ہے نہ تفریط۔

کسی بھی عقیدے یا مسئلے اور رویے میں دو انتہائیں ہوتی ہیں 'ایک کو اِفراط کہتے ہیں اور دوسری کو تفریط۔ افراط کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا اور تفریط کے معنی ہیں: کمی کرنا اور کسی کو اس کے مرتبے سے گرانا۔

اہلِ کتاب نے دین کے معاملات میں اِفراط و تفریط سے کام لیا۔ یہود نے حضرت علیہ السلام کے بارے میں تفریط اور تنقیص سے کام لیتے ہوئے آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی والدۂ ماجدہ عفیفہ طیبہ طاہرہ سیدہ مریم پر تہمت لگائی۔ جبکہ دوسری طرف نصاریٰ نے حضرت علیہ السلام کے مقام کے بارے میں افراط سے کام لیتے ہوئے حد سے تجاوز کیا اور انہیں مقامِ بندگی سے اٹھا کر مقامِ الوہیت تک پہنچا دیا حتیٰ کہ "ابن اللہ" کہا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اَحد ہے' وحدہٗ لاشریک ہے' اسے مرکّب مان کر کئی ذوات (اقانیم ثلاثہ باپ' بیٹا اور روح القدس) کا مجموعہ قرار دے کر ذاتِ باری تعالیٰ کے تین اجزاء کیے اور حضرت علیہ السلام کو مقدّس بیٹا قرار دے دیا۔

حضور ﷺ نے اپنی شان میں مبالغہ آرائی کرنے اور افراط سے کام لینے سے منع فرمایا ہے:

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، يَقُولُ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، سَمِعَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا تُطْرُونِي، كَمَا أَطْرَتْ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ»[3]

حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت عمر فاروق کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: نبی ﷺ نے فرمایا: " میری شان میں غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن علیہ السلام کی شان میں غلو کیا ہے (یہاں تک کہ انہیں اللہ کا بیٹا قرار دے دیا)' پس میں اللہ کا بندہ ہوں (خدا نہیں ہوں)' سو تم یہ کہو: اللہ کے بندے اور اس کے رسول"

اسی روش کو بعض لوگوں نے حضرت علی کے بارے میں اختیار کیا' چنانچہ مسند احمد میں ہے:

قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ: حَدَّثَنِي سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، أَبُو الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ الْأَبَّارُ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ حَصِيرَةَ، عَنْ أَبِي صَادِقٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ نَاجِدٍ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَيْفَ مَنْ عِيسَى أَبْغَضَتْهُ الْيَهُودُ حَتَّى بَهَتُوا أُمَّهُ، وَأَحَبَّتْهُ النَّصَارَى حَتَّى أَنْزَلُوهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِي لَيْسَ بِهِ» ثُمَّ قَالَ: «يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُقَرِّظُنِي بِمَا لَيْسَ فِيَّ، وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهُ شَنَآنِي عَلَى أَنْ يَبْهَتَنِي»[4]

"حضرت علی بیان کرتے ہیں: مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: (میری اُمت میں) تمہاری مثال بنی اسرائیل کے علیہ السلام جیسی ہے کہ یہود نے ان سے بغض رکھا حتیٰ کہ ان کی ماں حضرت مریم پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے اُن سے محبت میں غلو

---

[3] ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاري، كِتَابُ أَحَادِيثِ الأَنْبِيَاءِ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ وَاذْكُرْ فِي الكِتَابِ مَرْيَمَ، حدیث: 3445

[4] أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني، مسند الامام احمد بن حنبل (مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 2001ء) 2/468، حدیث: 1376

کیا حتیٰ کہ انہیں اس مقام (اُلوہیت) پر فائز کر دیا جو اُن کا نہیں تھا' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بارے میں دو طرح کے اشخاص (اپنے دین میں) ہلاکت سے دوچار ہوں گے' ایک وہ جو حقیقت کے بر خلاف میری محبت میں حد سے تجاوز کرے گا اور دوسرا وہ جو میری عداوت میں حد سے زیادہ بغض رکھے گا یہاں تک کہ مجھ پر بہتان باندھے گا۔"

اعتقادات میں اعتدال:

دین اسلام میں عبادات کا جو ڈھانچہ فراہم کیا گیا ہے اس میں مرکزی اور اساسی حیثیت عقائد کو حاصل ہے کیونکہ عقائد کے گرد ہی اعمال صالحہ کا دائرہ مرتب ہوتا ہے۔ چنانچہ دین اسلام میں ایمانیات وعقائد افراط و تفریط کی روشنی سے پاک نظر آتے ہیں۔

اعتقادات میں اساسی حیثیت عقیدہ توحید و رسالت کو حاصل ہے اس میں اعتدال ہے یعنی اللہ کو ذات وصفات میں لاشریک اور یکتا سمجھنا، اور رسول اکرم ﷺ کو تمام انسانوں سے افضل و برتر اور اللہ کا بندہ اور رسول ماننا۔ اس میں نہ دہریوں جیسی تفریط ہے کہ کسی بھی خدا پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہندوؤں جیسی افراط ہے کہ جنہوں نے بے شمار معبود بنا رکھے ہیں۔ اسلام ان دونوں میں راہ اعتدال پر گامزن ہے۔ اور عقیدہ رسالت میں بھی اہل کتاب جیسی افراط و تفریط نہیں ہے۔

عبادات وشعائر میں اعتدال اور اسلامی تعلیمات:

عبادات واعمال میں بھی اعتدال کا وصف نمایاں ہے اور یہی وصف اس امت کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہاں نہ عیسائیوں کے مانند غلو ہے اور نہ ہی یہودیوں کی طرح تقصیر۔ نبی کریم ﷺ نے غلو یعنی جتنے کام کا شرعی حکم ہے، اس سے زیادتی کو رد فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان صحابہ کرامؓ پر بھی نکیر فرمائی جن میں سے ایک نے کہا تھا کہ میں رات بھر قیام کروں گا۔ دوسرے نے کہا تھا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی افطار نہیں کروں گا، اور تیسرے نے کہا تھا کہ میں شادی ہی نہیں کروں گا۔ چوں کہ یہ کام سنت وشریعت کے مطابق نہ تھے اور غلو فی الدین کے زمرے میں آتے تھے اس لیے رسول اکرم ﷺ نے اس کی نکیر اور تردید فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا:

«أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»[5]

سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں (رات میں) اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔"

عبادات واعمال میں اعتدال اپنانے کے سلسلے میں ہمیں کتب احادیث میں "باب القصد فی العمل" کا مستقل باب اور عنوان ملتا ہے۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دینی امور کے ساتھ دنیوی امور میں بھی میانہ روی اور اعتدال مطلوب ہی نہیں بل کہ از حد ضروری ہے۔

وضو اور نماز میں اعتدال وتوازن:

وضو میں جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں، اگر اُس جگہ پر پٹی بندھی ہوئی ہے تو وضو کرنے کی صورت میں جس جگہ پر پٹی بندھی ہوئی ہے، اُس جگہ پر گیلے ہاتھ سے مسح کر لے، باقی اعضاء کو دھو لے۔

---

[5] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث: 5063

اگر مریض قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے تو اسے قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی چاہئے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ممکن نہیں ہے تو جس طرف ممکن ہو، رخ کر کے نماز پڑھ لے۔

اسی طرح مرد کو چاہئے کہ وہ فرض نماز مسجد جا کر جماعت کے ساتھ ادا کرے، لیکن عذر کی وجہ سے گھر پر بھی تنہا نماز پڑھ سکتا ہے۔ نماز کے لیے وضو ضروری ہے، لیکن اگر کوئی بیمار وضو نہیں کر سکتا تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھے۔

نماز ایک تو انفرادی ہوتی ہے' اس میں شریعت نے طویل قرأت' قیام اور رکوع و سجود کو قابلِ تحسین قرار دیا ہے اور سورۂ مُزّمّل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مکرّم ﷺ اور بعض صحابہ کے تہائی رات یا نصف رات یا دو تہائی رات تک قیام کو مقامِ مدح میں ذکر فرمایا ہے' سو جب تک کہ طبیعت پر گراں نہ گزرے اور دل سکون و قرار محسوس کرے' انفرادی نماز کو طول دینا ہمیشہ اللہ والوں کا شعار رہا ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے باجماعت نماز میں لوگوں پر گراں گزرنے والی طوالت کو ناپسند فرمایا' کیونکہ جماعت میں مختلف عمروں' ہمتوں' احوال اور استعداد کے لوگ شامل ہوتے ہیں' پس اُن سب کی رعایت لازم ہے۔

نیز آپ ﷺ نے ان ائمہ کرام پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا جو نماز باجماعت کو لمبا کرتے تھے اور لوگوں کے احوال کی رعایت نہیں رکھتے تھے، چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ:

حَدَّ ثَنَامُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ،حَدَّ ثَنَاسُفْيَانُ ،عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِد ،عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِم ،عَنْ أَبِي مَسْعُود ،قَالَ : قَالَ رَجُلٌ :يَارَسُولَ اللَّهِإِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فُلَانٌ فِيهَا ،فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُعَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،مَارَأَيْتُهُ غَضِبَ فِي مَوْعِظَةٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ،ثُمَّ قَالَ : «يَا أَيُّهَا النَّاسُ ،إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ ،فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ ،فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيفَ وَ الْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ»[6]

"حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں فجر کی جماعت چھوڑ دیتا ہوں' کیونکہ فلاں امام ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے' پس رسول اللہ ﷺ بہت سخت غضب ناک ہوئے' میں نے آپ کو کسی اور موقع پر اس دن سے زیادہ غضب میں نہیں دیکھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! تم میں سے بعض لوگوں کو (دین سے) تنفر کرنے والے ہیں' پس جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے' وہ اختصار سے کام لے' کیونکہ اس کے پیچھے کمزور' بوڑھے اور کام کاج پر جانے والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔

اسی طرح ایک صحابی کی شکایت پر آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا؛

حَدَّ ثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ ، قَالَ : حَدَّ ثَنَاشُعْبَةُ ، قَالَ : حَدَّ ثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ ،قَالَ :أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ ،فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي ،فَتَرَكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ ،فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ -أَوِ النِّسَاءِ - فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ ،فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُعَلَيْهِوَسَلَّمَ ،فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا ،فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُعَلَيْهِوَسَلَّمَ :«يَامُعَاذُ ،أَفَتَّانٌ أَنْتَ »-أَوْ «أَفَاتِنٌ »-ثَلَاثَ مَرَّاتٍ :«فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ،فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ»[7]

"حضرت جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں: ایک شخص پانی لانے والی اپنی دو اونٹنیوں کے ساتھ آیا اور رات کی تاریکی پھیل چکی تھی' اس نے حضرت مُعاذ کو نماز پڑھاتے ہوئے پایا تو اپنی اونٹنیاں چھوڑ کر نماز میں شامل ہو گیا' حضرت

---

[6] صحیح بخاری، کتاب الاذان، بَابٌ : إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ، حدیث:703

[7] صحیح بخاری، کتاب الاذان، بَابٌ : إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ، حدیث: 705

مُعاذ نے سورۃ البقرہ یا سورۃ النساء کی تلاوت شروع کر دی' پس وہ شخص چلا گیا اور اُسے خبر پہنچی کہ حضرت مُعاذ اس سے ناراض ہوئے ہیں' پس وہ شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت معاذ کی شکایت کی تو نبی ﷺ نے تین بار فرمایا: اے مُعاذ! تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالتے ہو، تم نے سورۃ الاعلیٰ، الشمس اور اللیل کیوں نہ پڑھ لی' کیونکہ تمہارے پیچھے بڑی عمر والے' کمزور اور کام کاج پر جانے والے لوگ کھڑے ہوتے ہیں۔"

خلاصہ یہ کہ باجماعت نماز کو متوازن ہونا چاہیے تاکہ سب لوگوں کے احوال کی رعایت ہو اور انفرادی نماز خشوع و خضوع کی کیفیات کے ساتھ جتنی طویل پڑھ سکتا ہو پڑھے یہ پسندیدہ بات ہے۔ آپ ﷺ خود بھی نماز میں لوگوں کی کافی حد تک رعایت فرماتے تھے 'اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے ہوتا ہے:

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ ،عَنْ سَعِيدٍ ،وَ ابْنُ جَعْفَرٍ ،وَعَبْدُ الْوَهَّابِ الْخَفَّافُ ،عَنْ سَعِيدٍ ،عَنْ قَتَادَةَ ،عَنْ أَنَسٍ ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «إِنِّي لَأَدْخُلُ الصَّلَاةَ ،وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا ،فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ ،فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي ، مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ »"[8]،

"حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: (کبھی) میں نماز شروع کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں کہ اس دوران میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں' تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ بچے کا رونا اس کی ماں کو پریشان کر دے گا۔"

جب باجماعت نماز میں امام کو تاکید ہے کہ لوگوں کے احوال کی رعایت کرے' تو پھر "دعا بعد الصلوٰۃ" میں بدرجۂ اَولیٰ لوگوں کی رعایت ہونی چاہیے۔ ہمارے ہاں بعض آئمہ کرام اس سے غافل ہیں۔ نماز کے بعد دعا سنت و مستحب ہے' لیکن اگر فرض نماز کے بعد سنتیں ہوں تو فقہائے کرام نے مختصر دعا کرنے کے لیے کہا ہے' کیونکہ سنتیں فرض کے ساتھ لاحق ہوتی ہیں' اس کے تابع ہوتی ہیں اور اس کی تکمیل کا سبب ہیں' تو ان میں زیادہ فصل نہیں ہونا چاہیے' البتہ سنتوں اور نوافل وغیرہ کے بعد طویل دعا اور اذکار و تسبیحات پڑھنا مستحسن ہے۔

روزہ میں اعتدال و توازن:

ہر بالغ مرد و عورت کو ماہ رمضان کے روزے رکھنا ضروری ہے، لیکن بیمار اور مسافر کے لیے اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھ کر بعد میں قضا کرے، اسی طرح انتہائی بوڑھے شخص کے لیے اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھ کر ہر روزے کے بدلے صدقۃ الفطر کی مقدار صدقہ نکالے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان میں مریضوں اور مسافروں کے لیے روزہ رکھنے کو افضل قرار دیا ہے' لیکن چھوڑنے کی رخصت بھی عطا فرمائی ہے کہ بعد میں قضا کی جائے' نیز سفر کے حالات اور تقاضے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جہاد میں مجاہد کو تازہ دم اور توانا رہنا چاہیے' کسی بھی وقت فریقِ مخالف سے ٹکراؤ ہو سکتا ہے' فتح مکہ کا سفر رمضان المبارک میں پیش آیا' عزیمت پر عمل کرتے ہوئے بعض صحابہ نے روزہ رکھا ہوا تھا' پھر وہ نڈھال ہو گئے' رسول اللہ ﷺ نے اسے پسندنہ فرمایا' اور ارشاد فرمایا:

«لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ [9]

---

[8] مسند الامام احمد بن حنبل، 19/123، حدیث: 12067

[9] صحیح بخاری، کتاب الصوم، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ وَاشْتَدَّ الحَرُّ «لَيْسَ مِنَ البِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ»، حدیث: 1946

"سفر میں روزہ رکھنا ہر حال میں نیکی نہیں ہے"

اسی طرح سفر کے موقع پر آپ ﷺ نے مفطرین صوم کی کی دل جوئی فرمائی:

حَدَّ ثَنَاسُلَيْمَانُ بْنُ دَ اوُدَ أَبُو الرَّ بِيعِ ،عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ زَكَرِيَّاءَ ،حَدَّ ثَنَاعَاصِمٌ ،عَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ ،عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُعَنْهُ ،قَالَ :كُنَّامَعَ النَّبِيِّصَ لَّى اللهُعَلَيْهِوَسَلَّمَ ،أَكْثَرُ نَاظِلاًّ الَّذِي يَسْتَظِلُّ بِكِسَائِهِ وَ أَمَّاالَّذِينَصَ امُوافَلَمْ يَعْمَلُوا شَيْئًا وَ أَمَّاالَّذِينَ أَفْطَرُ وافَبَعَثُوا الرِّكَابَ وَ امْتَهَنُوا وَعَالَجُ وا ،فَقَالَ النَّبِيُّصَ لَّى اللهُعَلَيْهِوَسَلَّمَ :«ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَبِالأَجْرِ »[10]"

"حضرت انس بیان کرتے ہیں: ہم (فتح مکہ کے) سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے' ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے چھوڑ دیا' پس ہم ایک دن شدید گرمی میں ایک مقام پر اترے' تو جو روزے دار تھے' وہ گر پڑے' جبکہ روزہ چھوڑنے والوں نے خیمے تانے' جانوروں کو پانی پلایا' تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: آج روزہ چھوڑنے والے روزے داروں پر اجر کمانے میں سبقت لے گئے"

اس کے برعکس نصاریٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَامَاكَتَبْنَاهَاعَلَيْهِمْإِلاَّ ابْتِغَاءَرِضْوَ انِ اللَّهِفَمَارَعَوْهَاحَقَّ رِعَايَتِهَا[11]﴾

"انہوں نے رضائے الٰہی کی خاطر رہبانیت کو ایجاد کیا' جو ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا' پھر جیسا کہ حق تھا' اس کی رعایت نہ کر پائے' '

یعنی تعلیماتِ نبوت کو نظر انداز کر کے انہوں نے اپنی عقل سے رہبانیت کو اختیار کیا' لیکن اس پر پورا نہ اتر سکے' پس شریعت کا وہی معیار انسانی فطرت کے لیے ساز گار اور عقلِ سلیم کے مطابق ہے' جو نبی ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہو' بعض اوقات انسان نیک نیتی سے ایک طریقہ اختیار کرتا ہے' لیکن وہ اس کے لیے مشکلات کا سبب بن جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:" عبداللہ! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو' انہوں نے عرض کی: ہاں! یارسول اللہ!' آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَلاَتَفْعَلْ صُمْوَ أَفْطِرْ وَ قُمْوَ نَمْ ،فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ إِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ إِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ إِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ إِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْتَصُومَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلاَثَةَ أَيَّام ،فَإِنَّكَ بِكُلِّ حَسَنَةٍعَشْرَ أَمْثَالِهَا، فَإِنَّذَلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ»

" تم ایسا نہ کرو' کبھی روزے رکھ لیا کرو اور کبھی چھوڑ دیا کرو' رات کو نوافل پڑھا کرو اور کچھ دیر سو بھی جایا کرو' کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے' تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے' تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے' تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے' سو تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ہر مہینے تین دن روزے رکھ لیا کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کا اجر دس گنا عطا فرماتا ہے اور اس طرح تمہیں صائم الدہر ہونے کا ثواب مل جائے گا' '

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول کریم ﷺ کے اس مشورے پر عمل نہ کیا اور اپنے اوپر سختی کی تو میرے لیے بھی سختی مقدر ہو گئی، میں نے عرض کیا:

---

[10] صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل الخدمۃ فی الغزو، حدیث:2890

[11] الحدید:27

يَارَسُولَ اللَّهِإِنِّي أَجِدُ قُوَّةً قَالَ :«فَصُمْ مِنْ صِيَامِ نَبِيِّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامَ لَا تَزِدْ عَلَيْهِ» ،قُلْتُ :وَمَا كَانَ صِيَامُ نَبِيِّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ؟قَالَ :«نِصْفَ الدَّهْرِ» ،فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِيَقُولُ بَعْدَ مَا كَبِرَ :يَا لَيْتَنِي قَبِلْتُ رُخْصَةَ النَّبِيِّصَلَّى اللهُ عَلَيْهِوَسَلَّمَ[12]

یارسول اللہ! میں اپنے اندر قوت پاتا ہوں'تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم اللہ کے نبی علیہ السلام کی طرح روزہ رکھ لیا کرو اور بس' میں نے عرض کی: علیہ السلام کا روزوں کی بابت معمول کیا تھا' آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا' عبداللہ بڑھاپے میں کہتے تھے:کاش کہ میں نے نبی ﷺ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کر لیا ہوتا" ۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت ابو درداء کے بارے میں حدیث میں مذکور ہے کہ؛

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو درداء میں مواخات کا رشتہ قائم فرمایا'وہ ابو درداء سے ملنے آئے 'تو دیکھا کہ اُمّ درداء پراگندہ حال ہیں' انہوں نے کہا:تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے' اُمّ درداء نے جواب دیا: تمہارے بھائی ابو درداء کو دنیاوی حاجات سے غرض ہی نہیں(میں کس کے لیے زیب وزینت اختیار کروں)'اتنے میں حضرت ابو درداء آگئے تو انہوں نے حضرت سلمان کو کھانا پیش کیا' حضرت سلمان نے کہا: آپ بھی کھائیں' حضرت ابو درداء نے کہا: میں روزے سے ہوں' حضرت سلمان نے کہا: میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک آپ نہیں کھائیں گے' پھر حضرت ابو درداء نے کھانا کھایا' پھر جب رات ہوگئی تو ابو درداء نماز پڑھنے کے لیے جانے لگے' سلمان نے ان سے کہا: آپ سو جائیں' (مہمان کے اکرام میں)وہ سو گئے' (کچھ دیر بعد) وہ پھر نماز پڑھنے کے لیے اٹھے' سلمان نے کہا: سو جاؤ' پھر جب رات کا آخری پہر ہوا تو حضرت سلمان نے کہا: اب آپ اٹھیں' پھر دونوں نے نماز پڑھی' پھر اُن سے سلمان نے کہا:

إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا،وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا،وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا،فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ،فَأَتَى النَّبِيَّصَلَّى اللهُعَلَيْهِوَسَلَّمَ ،فَذَكَرَ لَهُ ،فَقَالَ النَّبِيُّصَلَّى اللهُعَلَيْهِوَسَلَّمَ :صَدَقَ سَلْمَانُ »[13]

آپ کے رب کا آپ پر حق ہے' آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے'آپ کی اہلیہ کا آپ پر حق ہے' آپ ہر حقدار کو اس کا حق دیں' پھر حضرت ابو درداء نبی ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو یہ قصہ سنایا تو نبی ﷺ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا ہے" ۔

الغرض راتوں کو عبادت میں قیام کرنے والوں اور تہجد گزاروں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمائی ہے' لیکن شریعت نے اس میں غلو کو پسند نہیں فرمایا اور نہ اس بات کو ترجیح دی ہے کہ بندوں کے حقوق کو نظر انداز کر کے محض عبادت گزاری کو کُل دین سمجھ لیا جائے' کیونکہ کسی ایک شعبے کو اعلیٰ معیار پر اختیار کرنے اور باقی شعبہ جات کو ترک کرنے سے دین کی کلیت اور کامل بندگی کے تقاضے پورے نہیں ہوتے' دین توازن' اعتدال اور میانہ روی کا نام ہے۔

اسلام نے اس بات کو بھی پسندیدہ قرار نہیں دیا کہ اچانک جوش آئے اور کثرتِ عبادت میں مشغول ہو جائیں اور پھر کچھ دنوں کے بعد فرائض وواجبات اور سنتوں کے تارک بن جائیں' اسلام نوافل میں کثرت وطوالت کے مقابلے میں ہمیشگی کو ترجیح دیتا ہے' چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

---

[12] صحیح بخاری، کتاب الصوم، بَابُ حَقِّ الجِسْمِ فِي الصَّوْمِ، حدیث: 1975

[13] صحیح بخاری، کتاب الصوم، بَابُ حَقِّ الجِسْمِ فِي الصَّوْمِ، حدیث: 8 196

[14] «سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَاعْلَمُوا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ»

"درست کام کرو اور نیکی کے قریب تر رہا کرو، جان لو کہ تم میں سے کسی کا (محض) عمل اسے جنت میں داخل نہیں کرے گا (تاوقتیکہ اللہ کا فضل شاملِ حال نہ ہو) اور بے شک اللہ کی بارگاہ میں ہمیشگی والا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے خواہ وہ تھوڑا ہو"۔

زکوٰۃ میں اعتدال وتوازن:

اسی طرح زکوٰۃ کے فرض ہونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی تو کرنی ہے، لیکن اگر مال زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے ضروری نصاب تک نہیں پہنچا یا نصاب سے تو زیادہ ہے، لیکن اُس پر ایک سال نہیں گزرا یا قرضہ موجود مال سے بھی زیادہ ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

اسی طرح شریعت اسلامیہ میں آمدنی پر زکوٰۃ نہیں لگائی گئی، یعنی انسان اپنے اور گھر والوں کی ضرورت، اسی طرح گھر کے ساز وسامان اور بچوں کی تعلیم پر جو رقم خرچ کرتا ہے، اُس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً[15]»

" اگر کوئی مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ بھی صدقہ ہے" (یعنی اس پر بھی اجر ملے گا)

خرچ میں اسراف اور تبذیر معیشت فاسدہ کی علامت ہیں اس لیے اقتصاد اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے۔ مثلاً عام حالات میں یہ ہر گز نہیں ہونا چاہیے کہ خرچ آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر حاجت کے وقت دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا بلکہ حتیٰ الامکان اس کی سعی کرنی چاہیے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جو غنی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کیے ہیں اپنی اور اہل وعیال کی حاجات وضروریات کے لیے کچھ پس انداز ہو۔ نیز یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بخل اور تقصیر کو کام میں لائے اور خود اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے عطاء الٰہی کے باوجود معیشت کو تنگ کرلے۔

حج میں اعتدال وتوازن:

نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی طرح حج بھی اسلام کا ایک رکن ہے۔ تمام عمر میں ایک مرتبہ صرف اُسی شخص پر فرض ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہو کہ اپنے وطن سے مکہ مکرمہ تک آنے جانے پر قادر ہو اور اپنے اہل وعیال کے مصارف واپسی تک برداشت کر سکتا ہو۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا [16]﴾

" لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کے گھر کا حج کرے۔"

تشریع میں اعتدال:

اسلام اپنے قانونی اور سماجی احکام میں بھی راہ اعتدال پر گامزن ہے۔ اس میں نہ یہودیوں کی طرح تحریم میں مبالغہ ہے اور نہ عیسائیوں کی طرح اباحت میں افراط۔ قرآن میں ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا [17]﴾

---

[14] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداوۃ علی العمل، حدیث:6464

[15] صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الأھل، حدیث: 5351

[16] آل عمران؛97

"یہودیوں کے ظلم اور راہِ خدا سے بہت زیادہ روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ[18]﴾

"اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخنوں والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا ہڈیوں سے ملی ہو۔ ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی اور یقیناً ہم سچے ہیں۔"

معاملات میں اعتدال اور اسلامی تعلیمات:

عبادات کے ساتھ ساتھ اسلام نے اجتماعی معاشرتی زندگی کے لیے ایک بہترین نظام عطا کیا ہے۔ اور تمام انسانوں کو انسان ہونے کے اعتبار سے مساوی مقام پر رکھا ہے۔ معاملات کے اعتبار سے اسلام میں توازن کئی طرح پایا جاتا ہے:

تعلقات میں اعتدال:

معاملات میں تعلقات کو بہتر بنانے لیے اسلام نے یہ تعلیم دی کہ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ[19]»

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

نیز فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور قتل کرنا کفر ہے۔ تعلقات میں اعتدال پر یہ آیت واضح دلالت کرتی ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ[20]﴾

" کسی قوم کی عداوت و دشمنی تمہیں راہ اعتدال سے نہ ہٹا دے، عدل و انصاف کا دامن تھامے رہو۔ یہی تقویٰ سے قریب ہے۔"

کیوں کہ عموماً دشمنی میں انسان سے دامن اعتدال چھوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح تعلقات یعنی آپس میں میل جول، دوستی و دشمنی، بغض و محبت اور تعلق میں اعتدال کی سب سے جامع ہدایت ہمیں ترمذی شریف کی اس حدیث مبارکہ میں ملتی ہے۔

---

[17] النساء: 160

[18] الانعام؛[ ] 146

[19] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلون من لسانہ ویدہ، حدیث: 10

[20] المائدہ؛8

"أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَا وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَا[21]"

"اپنے دوست سے محبت دائرے میں رہ کر کرو، ممکن ہے کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے اور اپنے دشمن سے بغض و دشمنی بھی دائرے میں رہ کر کرو، ممکن ہے کسی دن وہ تمہارا دوست ہو جائے۔"

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی دوستی و دشمنی میں اعتدال پر قائم نہیں رہ پاتا۔ جب کسی سے دوستی کرنے پر آتا ہے تو ایسی ٹوٹ کر کرتا ہے کہ وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی، اور دوست کی تمام عیوب و نقائص ہیچ نظر آتے ہیں۔ اور جب ٹوٹتی ہے تو تسبیح کے دانوں کی طرح دونوں بکھر جاتے ہیں، اور ایک دوسرے سے حد درجہ نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح جب عداوت کرنے پر آتے ہیں تو حیوانیت کا لبادہ اوڑھ کر ایک دوسرے کے جان کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جاتے ہیں، اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ دوسرے کی تمام تر خوبیاں آنکھوں میں تنکے کی مانند کھٹکنے لگتی ہیں۔

بول چال میں اعتدال:

اسلام بول چال میں بھی اعتدال کی رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ[22]﴾

"اور اپنی آواز پست کرو، بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔"

آواز کے ساتھ ساتھ گفتگو میں توازن رکھنا چاہئیے نہ اتنی طویل گفتگو کی جائے کہ لوگ اکتا جائیں اور نہ ہی اتنی مختصر کہ جس میں ابہام باقی رہ جائے۔ آج کل لوگوں میں اپنی قابلیت و شیخی بگھارنے اور اپنی علمیت کا مرض عام ہو گیا ہے۔ نہ بڑوں کا پاس و لحاظ، نہ آداب گفتگو کا خیال، حالاں کہ رسول اکرم ﷺ نے ضرورت کے مطابق اچھی بات کہنے اور بلاضرورت گفت گو سے اجتناب کرنے اور خاموش رہنے کی تلقین فرمائی ہے جس سے بول چال میں اعتدال اپنانے کی اہمیت واضح ہوتی ہے:

«مَنْ صَمَتَ نَجَا[23]»

"جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔"

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گفتگو کو اچھی اور ضروری باتوں تک محدود رکھا جائے اور بلا ضرورت گفتگو سے اجتناب کیا جائے۔

انفاق میں اعتدال:

انفاق میں اسراف اور بخل سے بچ کر اعتدال پر رہنے کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ[24]»

جس نے میانہ روی اختیار کی، وہ کبھی تنگ دست نہ ہو گا۔

نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

---

[21] محمد بن عیسی بن سَوْرة، الترمذي، أبو عیسی، سنن الترمذي، ابواب البر والصلة، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحُبِّ وَالْبُغْضِ، حدیث: 1997

[22] لقمان: 17

[23] سنن الترمذي، ابواب صفة القيامة والرقائق والورع، حدیث: 2501

[24] أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان، مسند ابن أبي شيبة (دار الوطن – الرياض، 1997) 1/260، حدیث: 390

"لا قصد في النفقة نصف المعيشة[25]"

"خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا آدھی معیشت ہے۔"

جب کہ قرآن مجید میں حکم ہوا ہے:

﴿ولا تجعل يدك مغلولة إلى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا[26]﴾

" نہ اپنا ہاتھ کنجوسی میں اپنی گردن سے باندھ کر رکھو اور نہ پورے کشادہ دست ہو جاؤ کہ پہلی صورت میں ملامت زدہ اور دوسری صورت میں حسرت زدہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔"

سورہ فرقان میں اللہ کے نیک بندوں کے منجملہ اوصاف میں ان کی ایک صفت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ:

﴿والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما[27]﴾

" اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل، بل کہ دونوں کے بیچ کی راہ اپناتے ہیں۔"

آپ ﷺ کی پوری زندگی اعتدال کا محور و مرکز ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے:

"ما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم بين أمرين إلا أخذ أيسرهما، ما لم يكن إثما[28]"

"رسول اللہ ﷺ کو دو باتوں میں کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو جب تک کسی گناہ کا اندیشہ نہ ہوتا، آپ دونوں میں سے آسان کو اختیار فرماتے"

نتائج بحث:

قرآن و سنت اور آپ ﷺ کی سیرت سے عبادات سمیت زندگی کے تمام معاملات میں اعتدال و توازن سے کام لینے میں رہنمائی ملتی ہے۔ حضور ﷺ نے نہ صرف عبادات و معاملات میں اعتدال کا حکم دیا بلکہ کر کے بھی دکھایا، مزید بر آں افراط و تفریط کرنے والوں کی گرفت بھی کی۔ تجربہ اور مشاہدہ سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ عبادات ہوں یا معاملات افراط و تفریط کا شکار ہو کر اپنی اصلی حیثیت اور شکل کھو دیتے ہیں۔

---

[25] سلیمان بن أحمد بن أیوب، أبو القاسم الطبرانی، المعجم الأوسط (دار الحرمین. – القاهرة؛ س۔ن) 7/25، حدیث؛ 6744

[26] الاسراء؛ 29

[27] الفرقان؛ 67

[28] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث؛ 3560